اسلام اور تکریم انسانیت

غیر مسلموں کے سامنے ہمیں تکریمِ انسانیت کا پہلو بھی ابھارنا چاہیے، جس سے یہ معلوم ہو کہ کوئی انسان ذلیل اور پست نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اخلاق کے پہلو کے لحاظ سے پست ہے تو سمجھ میں بات آتی ہے، لیکن یہ تصور کرنا کہ ایک شخص فلاں گھرانے میں پیدا ہوا ہے، اس لیے پست ہے، یہ غلط بات ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عظمت دی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِيْ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً۔

(بنی اسرائیل: ۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

یہ اللہ کا کرم ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں انسانوں ہی کے لیے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ کہا ہے۔ اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے کہ ساری دنیا میں اس کو محترم بنایا ہے اور دنیا کے اندر اسے ذمہ دارانہ حیثیت دی ہے۔

لٹریچر سے فائدہ اٹھائیے

بعض چیزوں کے بارے میں آپ کو احساس ہوگا کہ ہمیں لٹریچر کی ضرورت ہے۔ مولانا مودودیؒ کے بہت سے مضامین اور کتابچے آپ کو ایسے ملیں گے جو اس موضوع پر آپ کی رہ نمائی کریں گے۔ مثلاً 'عقل کا فیصلہ، سلامتی کا راستہ، بناؤ اور بگاڑ''۔ بناؤ اور بگاڑ میں تو کچھ وقتی حالات کا اثر نظر آتا ہے، لیکن 'سلامتی کا راستہ' یا 'عقل کا فیصلہ' میں آپ دیکھیں گے کہ عمومی باتیں کہی گئی ہیں۔ اسی طرح 'زندگی بعد موت' نامی کتابچہ سے بھی ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میرا ایک کتابچہ 'وحدت بنی آدم' کے نام سے ہے۔ وہ اردو میں تو چھپ ہی رہا ہے، اس

کے علاوہ انگریزی، ہندی اور دیگر کئی علاقائی زبانوں میں بھی شائع ہورہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس موقع پر جو باتیں عرض کی گئی ہیں، ان پر مجھے بھی اور آپ کو بھی غور کرنے کی توفیق دے۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

ملک وملت کے نازک مسائل

اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ کتاب مولانا کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی اور سہ روزہ دعوت نئی دہلی میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں ملک کے موجودہ حالات میں ملت اسلامیہ ہند کے لیے واضح رہ نمائی موجود ہے۔

اس میں درج ذیل مضامین شامل ہیں:

☆ جدید ہندوستان میں مسلمانوں کے مسائل
☆ کچھ ہم سب کے سوچنے کی باتیں
☆ ملک کے موجودہ حالات
☆ ہندوستان کا قدیم طبقاتی نظام
☆ برصغیر کی اسلامی تاریخ
☆ مسلمانوں کا ماضی قریب، حال اور مستقبل
☆ امت مسلمہ ہند کے لیے صحیح لائحۂ عمل
☆ دعوتِ حق۔ فریضۂ ملت
☆ دعوت کا اسلوب
☆ اللہ کا دین آج آپ سے کیا چاہتا ہے؟

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵
صفحات:۹۶، قیمت ۳۲روپے

تحقیق و تنقید

صوفیانہ تفسیری رجحان کا ارتقا

حافظ محمد احسن رضا

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا معجزانہ کلام ہے۔ اس کی زبان عربی مبین ہے۔ یہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر تقریباً تیئس (۲۳) سال کی مدت میں نازل ہوا۔ آپؐ نے بتایا کہ قرآن کریم کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کی ایک حد ہے اور ایک مطلع (بلندی)۔ آپؐ جہاں ضرورت محسوس کرتے تھے وہاں ظاہری مفہوم کے ساتھ باطنی معانی بھی سمجھا دیا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ کے دور میں آیات ربانی کی دونوں قسم کی تعبیریں کی جاتی تھیں۔ تکمیلِ دین کی آیت کا ظاہری مفہوم باعث مسرت تھا کہ دین مکمل کر دیا گیا، لوگ اس پر بہت خوش ہوئے، مگر اسی آیت کے باطنی مفہوم میں حضرت ابوبکرؓ کو آں حضور ﷺ کی جدائی کا صدمہ محسوس ہوا اور وہ رونے لگے۔

اسلام کے جو احکام ہماری ظاہری زندگی سے متعلق ہیں وہ علم فقہ کا موضوع ہیں اور جو احکام ہمارے باطن کی پوشیدہ دنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ علم تصوف میں بیان کیے جاتے ہیں۔ صوفیانہ تفسیر کے لیے ضروری ہے کہ عربی لغت سے واقفیت کے ساتھ خداداد دانش اور بصیرت کی نعمت بھی میسر ہو اور صوفیانہ مفہوم نہ تو عربی زبان کے اصول و قواعد سے متصادم ہو اور نہ کوئی ایسی نص موجود ہو۔ ان شرائط پر پوری اُترنے والی تفسیر صوفیانہ تفسیر ہے اور اس کو اشاری تفسیر بھی کہتے ہیں۔[۱]

صوفیانہ تفسیر سے مراد ہے اصحاب تصوف کا حاصل شدہ پوشیدہ اشارات کی مدد سے قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا جو اُس کے ظاہری مفہوم کے خلاف تو ہو، مگر اس کے ظاہری اور باطنی مفہوم میں جمع اور تطبیق ممکن ہو۔[۲]

صوفیانہ تفسیر کے ارتقائی مراحل

صوفیانہ نظریات دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ ان پر مرور ایام سے فلاسفہ، متکلمین اور فقہاء نے اثر ڈالا اور ہر سہ کے اثرات سے ان نظریات میں تغیر رونما ہوا اور اشاری تفسیر مختلف مراحل سے گزری۔ ڈاکٹر ذہبی کے مطابق صوفیانہ تفسیر کے ارتقاء کے مراحل درج ذیل ہیں:

۱۔ ظاہری پر اشاری کے تفوق کا دور
۲۔ خالص اشاری دور
۳۔ اشاری اور نظری کے امتزاج کا دور
۴۔ خالص نظری دور
۵۔ اشاری پر ظاہری کے غلبے کا دور

ظاہری پر اشاری کے تفوق کا دور

اس دور کے مشہور مفسر سہل تستری ہیں۔ ان کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ علی ہجویریؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"ھو جمع بین الشریعۃ والحقیقۃ"[۳]۔

'وہ شریعت اور حقیقت (یعنی تصوف) کے جامع تھے'۔

ذیل میں ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے:

ان کا پورا نام سہل بن عبداللہ، کنیت ابو محمد اور نسبت تستری ہے۔ تستر کے مقام پر پیدا ہوئے۔ عظیم عارف باللہ اور زہد وتقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ ان کی ملاقات مکہ میں ذوالنون مصری سے ہوئی۔ کافی عرصہ تک بصرہ میں قیام کیا۔ ۲۷۳ھ یا ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔[۴]

تستری کا قول ہے کہ ہر آیت قرآنی کے چار معنی ہیں:

(۱) ظاہری (۲) باطنی (۳) حد (اخلاقی) (۴) مطلع (عارفانہ)

آپ کی تفسیر کا نام 'تفسیر القرآن العظیم' ہے، جو ایک جلد پر مشتمل ہے۔اس میں صرف چیدہ چیدہ آیات کی شرح اور توضیح کی گئی ہے۔

اس تفسیر میں مؤلف ظاہری اور باطنی دونوں معانی بیان کر دیتا ہے۔بعض جگہوں پر صرف ظاہری معنی بیان کیے گئے ہیں تو کہیں صرف اشاری تفسیر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ گویا یہ ظاہری اور اشاری تفسیروں کا خوب صورت امتزاج ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سہل علیہ الرحمۃ جہاں خالص اشاری مفہوم بیان کرتے ہیں وہ اکثر سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔ جیسے 'آلم' کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے کہ الف سے اللہ، لام سے جبرئیل اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، گویا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی، جبرئیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھائی ہے۔

اسی طرح آیت 'فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰہِ اَنۡدَادًا وَّ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ' (البقرۃ: ۲۲) ''سو نہ ٹھہراؤ اللہ کے برابر کوئی اور تم جانتے ہو''۔کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

انداد کے معنی ''ضد اور مخالف'' کے ہیں۔نفس امارہ سب سے بڑا مخالف ہے، جو ہدایات خداوندی کے برعکس لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی تلقین کرتا ہے۔ان کے نزدیک 'انداد' کا مفہوم وسیع ہے۔ اس میں سے وہ 'نفس امارہ' کو بھی شامل کرتے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ یہ آیت اس معنیٰ میں نازل نہیں ہوئی، مگر جو معنیٰ انھوں نے مراد لیا ہے، وہ مقصد نزول سے مطابقت رکھتا ہے۔ انہوں نے یہ بات آیت کی تفسیر کے طور پر نہیں، بلکہ 'ند' کے لغوی معانی 'شریک' اور 'مخالف' پر قیاس کر کے نفس امارہ کے لیے بیان کیے ہیں۔

خالص اشاری تفسیر کا دور

اس دور کے مشہور مفسر شیخ سلمی نیشاپوری ہیں۔ان کا اسم گرامی محمد بن حسین، کنیت ابوعبدالرحمن اور نسبت ازدی و سلمی ہے۔ ۳۳۰ھ میں خراسان میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے صوفی اور شیخ طریقت تھے۔طریقِ سلف پر گامزن رہے۔ تصوف اپنے والد محترم سے اخذ کیا۔علم حدیث میں مہارت اور بصیرت رکھتے

تھے۔ ۴۰ برس تک حدیث کے درس میں مشغول رہے۔ عراق، نیشاپور اور حجاز میں گھوم پھر کر حدیثیں لکھیں اور ایک کتاب مرتب کی۔ حفاظ حدیث میں سے ابوعبداللہ حاکمؒ اور ابوالقاسم قشیری نے آپ سے استفادہ کیا تھا۔ تصوف، تاریخ، حدیث اور تفسیر کے علوم سے متعلق سو (۱۰۰) سے زائد کتب کا ذخیرہ چھوڑا۔ ۵

یہ تفسیر ایک بڑی ضخیم جلد میں ہے۔ تمام قرآنی سورتوں پر مشتمل ہے، مگر تمام آیات کی تفسیر نہیں کی گئی ہے۔ پوری تفسیر 'اشارات' پر مبنی ہے، ظاہری تفسیر سے بالکل تعرض نہیں کیا گیا ہے، مگر مولف اس کے منکر بھی نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اہل الظاہر کی تفسیر کے قائل ہیں، لیکن خود صرف صوفیہ کے طریقے پر تفسیر قلم بند کرنا چاہتے ہیں۔ ۶

'آلم' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اس کا الف 'الواحدنیۃ' سے، لام 'لطف' اور میم 'الملک' سے ماخوذ ہے، پھر اس کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں کہ حق تعالیٰ کا کہنا ہے کہ جو شخص سب علائق و اغراض کو چھوڑ کر مجھے پانا چاہتا ہے، اسے لطف و کرم کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، اُس کو غلامی کی پستی سے نکال کر ملک اعلیٰ پر فائز کرتا ہوں، جس سے مالک الملک کے ساتھ ربط و اتصال مراد ہے۔ ۷

اشاری اور نظری تفسیر کے امتزاج کا دور

اس دور کا آغاز مفسر ابومحمد روزبہان سے ہوا ہے۔ ان کا نام 'ابومحمد روزبہان بن ابونصر بقلی شیرازی ہے۔ ان کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔''

ان کی تفسیر 'عرائس البیان فی حقائق القرآن' اشاری طرز کی ہے۔ وہ اگرچہ ظاہری تفسیر کے قائل ہیں، جیسا کہ مقدمہ میں انھوں نے خود ذکر کیا ہے، لیکن انھوں نے اپنی تفسیر میں صرف اشاری تفسیر پر اکتفا کیا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے اپنی تفسیر میں وہ تمام حقائق اور معانی یکجا کر دیے ہیں جو خداوند قدوس کی طرف سے اُن پر القاء کیے گئے تھے۔

مؤلف نے تفسیر کے ضمن میں جو نادر اور عجیب و غریب معانی بیان کیے ہیں

وہ سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مثلاً آیت ’’ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اتَّقُو اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ‘‘ (المائدۃ : ۸۸) کی تفسیر میں انھوں نے لکھا ہے:

> ’’حلال وہ ہے جو عارف کو خوان غیب سے انسانی تکلیف کے بغیر پہنچ جائے اور طیب ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے شوق میں اُس کے دل کو قوت دے اور اُس کے جلال قدیم و دائم کو یاد دلائے۔[۸]

اس تفسیر میں حلال وطیب کی تشریح جس انداز میں کی گئی ہے وہ اس پورے علم سے مختلف ہے جو صحابہ اور فقہائے امت نے بیان کی ہے۔ اس تفسیر میں تصوف کی مشکل اصطلاحات کی بھرمار ہے۔ مؤلف کے پیش کردہ معانی کو نادر تو کہا جا سکتا ہے، مگر ان کے معانی کو مرادِ الٰہی قرار دینا مشکل ہے۔

خالص نظری تفسیر کا دور

اس دور کے بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہیں۔ ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ ھ کو اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ ان کو شیخ اکبر بھی کہا جاتا ہے۔ ۵۶۸ ھ میں آٹھ سال کی عمر میں اشبیلیہ (اندلس) آ گئے تھے۔ انھوں نے کئی ممالک کی سیر و سیاحت کی، پھر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہیں ۶۳۸ ھ میں وفات پائی۔

ابن عربی کی تصانیف کے حوالے سے متضاد بیانات ملتے ہیں، بعض نے کل کتب کی تعداد پانچ سو (۵۰۰)، بعض نے چار سو (۴۰۰) اور بعض نے دوسو چوراسی (۲۸۴) بتائی ہے۔ جب کہ ان کی فہرست میں وفات سے چھ سال پہلے کی دوسوا کیاون (۲۵۱) کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔[۹]

ابن عربی کی سب سے ضخیم اور اہم کتاب ’الفتوحات المکیۃ فی معرفۃ الأسرار المالکیۃ و الملکیۃ‘ مکہ میں ۶۲۹ ھ میں لکھی گئی۔ دوسری اہم کتاب ’فصوص الحکم‘ ۶۲۷ ھ میں دمشق میں تحریر کی گئی۔ ابن عربی کے متصوفانہ فلسفے کا ’اُصول ’وحدۃ الوجود‘ ہے۔ وہ پہلے مسلمان مفکر ہیں جنھوں نے کلامِ الٰہی (الکلم) اور ’انسان کامل‘ کا نظریہ پیش کیا۔

ابن عربی کی تفسیر کو اشاری اور نظری تفسیر کا معجون مرکب کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی نسبت کے اعتبار سے بالغ مقدار نظری تفسیری اقوال کی ہے۔ اس میں ظاہری تفسیر کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔

ابن عربی نے تفسیر کی بنیاد 'وحدۃ الوجود' کے نظریہ پر رکھی ہے۔ اس سے وہ یہ مراد لیتے تھے کہ وجود در حقیقت ایک ہی ہے اور وہ ذات باری تعالیٰ ہے، البتہ ظاہری حواس کو کثرت نظر آتی ہے۔ وحدۃ الوجود سے ابن عربی نے وحدتِ ادیان کا نظریہ ایجاد کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ ادیان و مذاہب میں کچھ فرق نہیں، خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی۔ اس لیے کہ سب مذاہب میں الٰہ کی عبادت کی جاتی ہے، جو انسانوں کی شکل میں متشکل نظر آتا ہے۔ عبادت کا مقصد صرف یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی وحدتِ ذاتیہ کا تحقّق کر سکے۔۱۰؎

مثال کے طور پر ابن عربی آیت 'والٰھکم الٰہ واحد' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''مذکورہ آیت مبارکہ میں اہل اسلام اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ چوں کہ ان لوگوں کے پیشِ نظر بھی اللہ ہی کا تقرب ہوتا ہے، اس لیے گویا وہ بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ جب اُنہوں نے خود اعتراف کیا کہ ہم غیر اللہ کی عبادت تقرب الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا الٰہ اور مشرک کا الٰہ، جس کے توسط سے وہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے دونوں ایک ہی ہوئے۔ دونوں خدا کی احدیت پر متحد ہو گئے، اسی لیے قرآن میں 'والٰھکم' جمع کے الفاظ ہیں''۔

اگر یہ تفسیر مقصود ربانی کے مطابق ہے تو پھر کون سی توضیح وتشریح کے خلاف ہو گی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بات کو توڑ مروڑ کر وحدۃ الوجود کے عقیدے کے مطابق بنایا گیا ہے، یعنی اس میں پہلے سے طے شدہ مقدمات کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس تفسیر کو رد کیا جاتا ہے۔

اشاری تفسیر پر ظاہری کے غلبے کا دور

تفسیر اشاری پر ظاہری تفسیر کے غلبے کے دور کے ایک نمائندہ مفسر علامہ آلوسی

ہیں۔ان کا پورا نام سید محمود آفندی، کنیت ابوالثنائ ،لقب شہاب الدین اور نسبت آلوسی بغدادی ہے۔آلوس ایک گاؤں کا نام ہے، جو ملک شام اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ آپ ۱۲۱۷ھ میں بغداد کے محلہ 'کرخ' میں پیدا ہوئے۔عراق کے علماء میں نمایاں مقام پر فائز تھے۔منقولات اور معقولات کے عالم اور عدیم المثال محدث اور مفسر تھے۔آپ نے اپنے والد محترم کے علاوہ شیخ خالد نقشبندی اور شیخ علی سوہدی سے بھی کسب فیض کیا۔۱۲۴۸ھ میں آپ کو مفتی احناف مقرر کیا گیا۔اس سے پہلے آپ مدرسہ مرجانیہ کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھے۔یہ وہ منصب تھا جس پر شہر کا سب سے بڑا عالم مقرر کیا جاتا تھا۔شوال ۱۲۶۳ھ میں افتاء کے منصب سے الگ ہو کر تفسیر قرآن کی تالیف میں لگ گئے۔آپ مسلکاً شافعی تھے،مگر اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ آخر عمر میں آپ کا رجحان اجتہاد کی طرف ہو گیا تھا۔آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں،جن میں سے تفسیر 'روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی' بھی ہے۔جمعۃ المبارک، ۲۰ ذی قعدہ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔"[۱۱]

آلوسی نے اپنی تفسیر کو روایت اور درایت دونوں اعتبار سے سلف وخلف کے اقوال کے مطابق بنانے کی پوری کوشش کی ہے۔آپ ابوحیان، زمخشری، بیضاوی، رازی اور دیگر مفسرین کے اقتباسات نقل کرتے ہیں، مگر ان کو من وعن قبول کرنے کے بجائے ان پر پورا محاکمہ کرتے ہیں۔ضرورت پڑنے پر کسی مفسر کو ہدفِ تنقید بنانے سے نہیں چوکتے، مثلاً فقہی مسائل میں امام رازیؒ پر شدید نقد و جرح اور امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی حمایت کرتے ہیں۔صحابہ کرامؓ کے حق میں تاویل کرتے ہیں اور پورے زور کے ساتھ کبار صحابہ کے بارے میں معتزلہ اور شیعہ وغیرہ کے خیالات کو غلط قرار دیتے ہیں۔

آلوسی صوفیانہ تفسیر کی بنیاد ظاہر، باطن، حد اور مطلع پر رکھتے ہیں۔یہ معیار ان صوفیہ کا قائم کردہ ہے جنہوں نے اشاری تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تھا، مثلاً تستری اور سلمی اور ان کے ہم عصر صوفیۂ کرام۔انھوں نے اشاری تفسیر سے غلو کو دور کرنے کی اسی طرح کوشش کی ہے، جس طرح ظاہری تفسیر کی خامیوں کو درست کرنے کی سعی کی